سا ماں سے کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہوتا
ہر اہلِ عصا موسیٰ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمان نہیں ہوتا
آئینہ گر اسکندرِ دوراں نہیں ہوتا

لاکھ اَوج ہو پشّے کا ، ہُما ہو نہیں جاتا
بُت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہیں جاتا

(مراثیِ دبیر)

مشق

۱۔ حضرت علی اکبرؓ نے اپنے خطاب میں کیا ارشاد فرمایا؟

۲۔ اس نظم میں جن تاریخی شخصیات کا ذکر ہوا ہے، ان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۳۔ نظم سے ایسے مصرعے تلاش کر کے لکھیں جن میں صنعتِ تضاد کا استعمال ہو۔

۴۔ مرثیے کی تعریف کریں اور مرثیے کے ارکان کی وضاحت کریں۔

۵۔ کسی اور مرثیے کے تین اشعار لکھیں، جن کا موضوع واقعاتِ کربلا ہو۔

ہدایت برائے اساتذہ: طلبہ کو واقعہ کربلا کے بارے میں مستند معلومات فراہم کریں۔

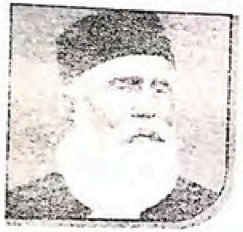

الطاف حسین حالؔی

پیدائش: ۱۸۳۷ء   وفات: ۱۹۱۴ء

الطاف حسین حالؔی پانی پت میں پیدا ہوئے۔ باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے، تاہم ذاتی کوشش سے عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔ حصولِ تعلیم کے شوق میں دلّی گئے، جہاں غالبؔ اور شیفتہ سے ملاقاتیں ہوئی۔ چند سال شیفتہ کے مصاحب رہے۔ ۱۸۷۲ء میں لاہور میں ملازمت مل گئی اور انگریزی سے ترجمہ ہونے والی کتابوں پر نظرِ ثانی کرتے رہے۔ یہاں جدید نظم کے چار مشاعروں میں شریک ہوئے۔ [illegible] اینگلو عربک سکول دلّی میں مدرس ہو گئے۔ وہاں سرسید اور ان کی تحریک سے رابطہ ہوا۔ سرسید کے ایما پر مسدس ''مدوجزرِ اسلام'' لکھی۔ اس کے بعد بہت سی نظمیں لکھیں اور کئی جدید نظم نگار شعراء کو متاثر کیا۔ مولانا حالی اور آزاد دونوں کی مشترکہ کوششوں سے اُردو شاعری بہت حد تک تبدیل ہو گئی اور اس میں پہلی بار مشرقی خیالات کے ساتھ ساتھ مغربی خیالات بھی سامنے آئے۔ حالؔی نے غزل کو بھی جدید رنگ میں ڈھالا اور روایت کی بے جا تقلید کے بجائے تازگیِ بیان پر توجہ دی۔ حالؔی کی غزل میں میرؔ و غالبؔ کا سا تغزل ملتا ہے جب کہ اُن کی نظمیں جذبہ حُب الوطنی اور اصلاحِ ملّت کا ثبوت ہیں۔ اُردو شاعری میں پہلی مرتبہ حالؔی نے قومی، سیاسی اور سماجی موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ حب الوطن، چُپ کی داد، نشاطِ اُمید اور مناظرہ رحم انصاف جیسی نظمیں اس کی درخشندہ مثالیں ہیں۔ حالؔی نے پانی پت میں وفات پائی۔

تصانیف: مقدمہ شعر و شاعری، حیاتِ جاوید، حیاتِ سعدیؒ وغیرہ۔

اُمید

الطاف حسین حالی

بس اے ناامیدی نہ یوں دل بجھا تو
جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا نااُمیدوں کی ڈھارس بندھا تو
فسُردہ دلوں کے دل آکر بڑھا تو
ترے دم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

سفینہ بے نوحؑ طوفاں میں تو تھی
سکوں بخشِ یعقوبؑ کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تو تھی
دل آرام یوسفؑ کی زنداں میں تو تھی
مصائب نے جب آن کر اُن کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تو نے
بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اُکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تو نے
اُجڑتے گھروں کو بسایا ہے تو نے

بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہے
اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہے

توی تجھ سے ہمت ہے پیر و جواں کی
بندھی تجھ سے ڈھارس ہے خُرد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نُظمِ جہاں کی
نہ ہو تو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی
تگاپو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے
روارو ہے ہر قافلے میں تجھی سے

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے
تونگر بنایا گداؤں کو تو نے
دیا دسترس نارساؤں کو تو نے
کیا بادشہ ناخداؤں کو تو نے
سکندر کو شانِ کئی تو نے بخشی
کلمبس کو دنیا نئی تو نے بخشی

وہ رہرو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں
خور و زاد سے جن کا خالی ہے داماں
نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں
نہ محرم کوئی جو سنے دردِ پنہاں
ترے بل پہ خوش خوش ہیں اس طرح جاتے
کہ جا کر خزانے ہیں اب کوئی پاتے

زمیں جوتنے کو جب اٹھتا ہے جوتا
سمیں کا گماں تک نہیں جب کہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہے جان کھوتا
مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا